ایک نعمت قبلہ کی پھر دوسری نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی مبذول فرمائی ہو ایسی ہی نعمت ذکراللہ بھی ہے، ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرو، تاکہ یہ نعمتیں اور زیادہ ہو جائیں قرطبیؒ نے فرمایا کہ کَمَآ اَرْسَلْنَا کا کاف بیان ایسا ہی ہے جیسے سورۂ انفال میں کَمَآ اَخْرَجَكَ اور سورۂ حجر کے آخر میں كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ آیا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ، ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو مولانا رومیؒ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو اور ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں، حضرت ابو عثمانؒ سے کسی نے ایسی ہی حالت کی شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں، مگر قلوب میں اس کی کوئی حلاوت محسوس نہیں کرتے، آپ نے فرمایا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، کہ اس نے تمہارے ایک عضو یعنی زبان کو تو اپنی طاعت میں لگا لیا (قرطبی)

ذکراللہ کے فضائل بے شمار ہیں، اور یہی ایک فضیلت کچھ کم نہیں ہی کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد فرماتے ہیں، ابو عثمان نہدیؒ نے کہا کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد فرماتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے، فرمایا اس لئے کہ قرآن کریم کے وعدے کے مطابق جب کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے یاد کرتے ہیں، اس لئے سب کو یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ جس وقت ہم اللہ کی یاد میں مشغول ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی یاد فرمائیں گے۔

اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم مجھے اطاعتِ احکام کے ساتھ یاد کرو تو میں تمہیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا، حضرت سعید بن جبیرؒ نے ذکراللہ کی تفسیر ہی طاعت و فرمانبرداری سے کی ہے وہ فرماتے ہیں:

فمن لم یطعہ لم یذکرہٗ وان کثر صلٰوتہ وتسبیحہ	"یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا، اگرچہ ظاہر میں اس کی نماز اور تسبیح کتنی بھی ہو"

ذکراللہ کی اصل حقیقت قرطبی نے بحوالہ احکام القرآن ابن خویز منداذ ایک حدیث بھی اسی مضمون کی نقل کی ہے

جس کا ترجمہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، یعنی اس کے احکام حلال و حرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اس کی (نفل)، نماز روزہ وغیرہ کم ہوں، اور جس نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا، اگرچہ (بظاہر) اس کی نماز، روزہ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اس کے مقابلے میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے، اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے ساری چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا کر دیتے ہیں۔

اور حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ انسان کا کوئی عمل اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکراللہ کے برابر نہیں، اور ایک حدیث قدسی بروایت ابوہریرہؓ میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے، اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے رہیں، ذکراللہ کے فضائل بے شمار ہیں، ان کا مختصر خلاصہ احقر نے اپنے رسالہ ذکراللہ میں جمع کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے مسلمانو! مدد لو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

ربط: تحویلِ قبلہ پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراض تھا، اس کے دو اثر تھے، ایک مذہبِ اسلام پر کہ اعتراض سے مذہب کی حقانیت میں شبہ پیدا کیا جایا کرتا ہے، اوپر کی آیتوں میں اس اعتراض کا جواب دے کر اس اثر کا دفع کرنا مقصود تھا، دوسرا اثر طبائع اہلِ اسلام پر کہ اعتراض سے بالخصوص جواب دینے کے بعد بھی اس پر بے جا اصرار کرنے سے قلب میں رنج اور صدمہ پیدا ہوتا ہے، آیتِ آئندہ میں تخفیفِ حزن کا طریقہ کہ صبر و صلوٰۃ ہے، بتلا کر اس دوسرے اثر کو زائل فرماتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر: اے ایمان والو! (طبیعتوں میں غم ہلکا کرنے کے بارے میں) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں، (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجۂ اولیٰ، وجہ یہ کہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے، جب صبر میں یہ وعدہ ہے تو نماز جو اس سے بڑھ کر ہے اس میں تو بدرجۂ اولیٰ یہ بشارت ہوگی)۔

معارف و مسائل

صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ، اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ انسان کی تمام حوائج و ضروریات کے پورا کرنے اور تمام آفات و مصائب و تکالیف کو دور کرنے کا نسخہ اکسیر دو جزء سے مرکب ہے، ایک صبر دوسرے نماز، اور اس نسخہ کے تمام حوائج اور تمام مصائب کے لئے عام ہونے کی طرف قرآن عظیم نے اس طرح سے اشارہ کر دیا ہے کہ اِسْتَعِیْنُوْا کو عام چھوڑا ہے، کوئی خاص چیز ذکر نہیں فرمائی، کہ فلاں کام میں ان دونوں چیزوں سے مدد حاصل کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان کی ہر ضرورت میں مدد حاصل کی جاتی ہے، تفسیر مظہری میں اس عموم کو واضح کر دیا ہے، اب اس دو جزئی نسخے کے دونوں اجزاء کو سمجھ لیجئے۔

صبر کی اصل حقیقت

صبر کے اصل معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں، قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں، ایک اپنے نفس کو حرام و ناجائز چیزوں سے روکنا، دوسرے طاعات و عبادات کی پابندی پر مجبور کرنا، تیسرے مصائب و آفات پر صبر کرنا، یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا، اور اس کے ثواب کا امیدوار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف و پریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے منافی نہیں۔ (ذکرہ ابن کثیرؒ عن سعید بن جبیرؓ)

یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں، ہر مسلمان پر یہ پابندی عائد ہے کہ تینوں طرح کے صبر کا پابند ہو، عوام کے نزدیک صرف تیسرے شعبے کو تو صبر کہا جاتا ہے، پہلے دو شعبے جو صبر کی اصل اور بنیاد ہیں عام طور پر ان کو صبر میں داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں صابرین انھیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گذرے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی، ابن کثیرؒ نے اس روایت کو نقل کرکے فرمایا کہ آیت قرآن اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۹: ۱۰) سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔

نماز، دوسرا جزء اس نسخہ کا جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے نماز ہے، صبر کی جو تفسیر ابھی لکھی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ درحقیقت نماز اور تمام عبادات صبر ہی کے جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان اس لئے کر دیا کہ تمام عبادات میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ ہے، کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و طاعت پر محبوس بھی کیا جاتا ہے، اور تمام معاصی و مکروہات سے

بلکہ بہت سے مباحات سے بھی نفس کو بحالتِ نماز روکا جاتا ہے، اس لئے صبر جس کے معنی نفس کو اپنے قابو میں رکھ کر تمام طاعات کا پیرو اور تمام معاصی سے مجتنب و بیزار بنانا ہے، نماز اس کی ایک عملی تمثیل ہے۔

اس کے علاوہ نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے اور تمام آفتوں مصیبتوں سے نجات دلانے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے، گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو، جیسے دواؤں میں بہت سی ادویات کو مؤثر بالخاصہ تسلیم کیا جاتا ہے، یعنی کیفیات حرارت و برودت کے حساب سے جیسے کسی خاص مرض کے ازالہ کے لئے بعض دوائیں بالخاصہ مؤثر ہوتی ہیں، جیسے درد گردہ کے لئے فرنگی دانہ کو ہاتھ یا منہ میں رکھنا، اور بہت سے امراض کے لئے عود صلیب وغیرہ کو گلے میں ڈالنا مؤثر بالخاصہ ہی، سبب نامعلوم ہے، لوہے کو کھینچنے میں مقناطیس مؤثر بالخاصہ ہے، وجہ معلوم نہیں، اسی طرح نماز تمام انسانی ضروریات کی کفالت اور تمام مصائب سے نجات دلانے میں مؤثر بالخاصہ ہو بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح آداب اور خشوع خضوع کے ساتھ پڑھا جائے، ہماری جو نمازیں غیر مؤثر نظر آتی ہیں، اس کا سبب ہمارا قصور ہے کہ نماز کے آداب اور خشوع و خضوع میں کوتاہی ہوتی ہے، ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے تھے، حدیث میں ہے:

اذا حزبہ امر فزع الی الصلوٰۃ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔

صبر اور نماز تمام مشکلات و مصائب سے نجات کا سبب اس لئے ہے کہ صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، اس کلمہ میں اس کا راز بتلا دیا گیا ہے کہ صبر حل مشکلات اور دفع مصائب کا سبب کیسے بنتا ہے، ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ رب العزت کی طاقت ہو اس کا کونسا کام رُک سکتا ہے اور کونسی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ

اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن

لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ

تم کو خبر نہیں ، اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصانوں سے

مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ

مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو کہ جب

اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ

پہنچے اُن کو مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں، ایسے ہی

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔

ربط اوپر ایک خاص ناگوار واقعہ میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان فرمائی تھی، آیاتِ آئندہ میں اور بھی بعض واقعات خلافِ طبع کی تفصیل اور اس میں صبر کی ترغیب اور فضیلت بیان فرماتے ہیں، جن میں قتل و قتال مع الکفار کا مضمون مقدم فرماتے ہیں، دو وجہ سے، اول بوجہ اعظم ہونے کے، کہ اعظم پر صبر کرنے والا اصغر پر بدرجۂ اولیٰ صبر کرے گا، دوسرے خاص طور پر مناسب مقام ہونے کی وجہ سے، کیونکہ معترضین مذکورین کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تھا۔

خلاصۂ تفسیر اور جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے جاتے ہیں ان (کی ایسی فضیلت ہو کہ ان) کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مُردوں کی طرح) مُردے ہیں، بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں، لیکن تم (اپنے موجودہ) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے، اور (دیکھو) ہم (صفتِ رضا و تسلیم میں جو کہ مقتضا ایمان کا ہے) تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو کہ ہجوم مخالفین یا نزول حوادث و شدائد سے پیش آوے) اور (کسی قدر فقر و) فاقہ سے اور (کسی قدر) مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (مثلاً مواشی مرگئے یا کوئی آدمی مرگیا یا بیمار ہوگیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہوگئی، پس تم صبر کرنا) اور (جو لوگ ان امتحانوں میں پورے اتر آویں اور مستقل رہیں تو) آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے سمجھ کر یوں) کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں (اور مالکِ حقیقی کو اپنی مِلک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، اس سے مملوک کا تنگ ہونا کیا معنی) اور ہم سب (دنیا) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں (سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر مل رہے گا، اور جو مضمون بشارت کا ان کو سُنایا جائے گا وہ یہ ہے کہ) ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے (مبذول) ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقتِ حال تک) رسائی ہوگئی (کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک اور نقصان کا تدارک کر دینے والا سمجھ گئے)۔

معارف و مسائل

شہداءؓ اور انبیاءؑ کی حیات برزخی اور اس کے درجات میں تفاضل یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رُو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے، اس میں مومن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں، لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے، کچھ مخصوص درجے انبیاءؑ و صالحینؒ کے لئے مخصوص ہیں، اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے، اس مسئلہ کی تحقیق پر علماء کے مقالات و تحقیقات بے شمار ہیں، لیکن ان میں سے جو بات اقرب الی الکتاب والسنت ہو اور شبہات سے پاک ہو، اس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں واضح فرمایا ہے، اس جگہ اسی کو نقل کرنا کافی معلوم ہوا۔

ف: ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں، اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مرگیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مُردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے، اور اسی سے جزاء و سزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہو کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جیسے انگلیوں کے اگلے پوروے اور ایڑی، اگرچہ دونوں میں حیات ہے، اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں، لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں، اسی طرح شہداء میں آثارِ حیات عام مُردوں سے بہت زیادہ ہیں، حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مُردوں کے اس کے جسدِ ظاہری تک بھی پہنچتا ہے، کہ اس کا جسم باوجود مجموعۂ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا، اور مثل جسم زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا، اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی، مگر احکامِ ظاہرہ میں وہ عام مُردوں کی طرح ہیں، اُن کی میراث تقسیم ہوتی ہے، اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں، اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ سلامتِ جسم کے علاوہ اس حیاتِ برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، اُن کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء، پھر اور معمولی مُردے،

البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاءؒ و صالحینؒ بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں، سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنیً شہادت میں داخل سمجھیں گے، اس طور پر وہ بھی شہداء ہوگئے، یا یوں کہا جاوے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قسم دون کے اعتبار سے ہے، شہداء کے ہر تبہ دوسرے لوگ صالحین و صدیقین کے اعتبار سے نہیں۔

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا، اور صرف قتل شہادت نہیں ہو، اور اگر فرضاً ایسا شہید خاک خوردہ پایا جاوے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائطِ شہادت ہونا دلیل قطعی تواتر وغیرہ سے ثابت ہو (جس کا شبہ صاحب رُوح المعانی کو ہوگیا ہے) تو اس کی وجہ یں کہا جاوے گا کہ حدیث میں جس چیز کی تصریح ہے وہ یہ کہ انبیاءؑ و شہداءؒ کے جسم کو زمین نہیں کھاتی، یعنی مٹی ان کے جسم کو خراب نہیں کرسکتی، اجزاءِ ارضیہ مٹی وغیرہ کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ان کے جسم کا متاثر ہو کر فنا ہوجانا پھر بھی ممکن ہے، کیونکہ زمین میں اور بھی بہت سی اقسام و انواع کی دھاتیں اور ان کے اجزاء اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں، اگر ان کی وجہ سے کسی شہید کا جسم متاثر ہو جائے تو اس آیت کے منافی نہیں۔

چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ و ادویہ و اغذیہ و اخلاط و اجسام بسیطہ مثل آب و آتش و باد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کے اجساد میں بھی ثابت ہے، اور شہداء کی حیات بعد الممات انبیاءؑ کی حیات قبل الممات سے اقویٰ نہیں، اور بعض حصۂ ارض میں بعض اجزاءِ غیر ارضیہ بھی شامل ہوجاتے ہیں، جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مختلف عناصر شامل ہوجاتے ہیں، سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجساد متاثر ہوجاویں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا، جن میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔

اور ایک جواب یہ ہو کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لئے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہوجاویں، اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے، اور خرق عادت کی دونوں صورتیں ہیں، حفظ تو بد اور حفظ طویل، اور چونکہ عالم برزخ حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ وغیرہ سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے لَّا تَشۡعُرُوۡنَ فرمایا گیا کہ تم اُن کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

مصائب پر صبر کے آسان کرنے کی خاص تدبیر

ف : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بندوں کا امتحان ہوتا ہے، اس کی حقیقت آیت وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ کی تفسیر میں گذر چکی ہے، اور حوادث کے واقع ہونے سے پہلے ان کی خبر دیدینے میں یہ فائدہ ہوا کہ صبر آسان ہوجاتا ہے، ورنہ دفعۃً کوئی صدمہ

پڑنے سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے، اور یہ خطاب ساری اُمّت کو ہے تو سب کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا دارالمحن ہے (یعنی محنتوں اور تکلیفوں کی جگہ ہے) اس لئے یہاں کے حوادث کو عجیب اور بعید نہ سمجھا جاوے تو بے صبری نہ ہوگی، اور چونکہ یہ لوگ نفس عمل صبر میں سب مشترک ہیں، اس لئے اس کا صلۂ مشترکہ تو عام رحمت ہے، جو نفس صبر پر موعود ہے، اور چونکہ مقدار اور شان اور خصوصیت ہر صابر کے صبر کی جدا ہے، اس لئے ان خصوصیات کا صلہ جدا جدا خاص عنایتوں سے ہوگا، جو ان خاص خصوصیات پر موعود ہیں، جیسے دنیا میں مواقع انعام پر دعوت طعام تو عام ہوتی ہے، پھر روپے اور جوڑے ہر ایک کو علیٰ قدر الحیثیت والخدمت دیئے جاتے ہیں۔

معیبت میں انا للہ کو سمجھ کر پڑھا جائے تو تسکین قلب کا بہترین علاج ہے

صابرین کی طرف نسبت کرکے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کہا کرتے ہیں، حقیقت میں مقصود اس کی تعلیم ہے یہ کہ مصیبت والوں کو ایسا کہنا چاہئے، کیونکہ ایسا کہنے میں ثواب بھی بڑا ہے، اور اگر دل سے سمجھ کر یہ الفاظ کہے جائیں تو غم و رنج کے دور کرنے اور قلب کو تسلی دینے کے معاملہ میں بھی اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآٮِٕرِ اللّٰهِ‌ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَيۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ

بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا‌ؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ

شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۵۸﴾

قدردان ہے سب کچھ جاننے والا

ربط آیاتِ متقدمہ میں وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ سے دور تک خانۂ کعبہ کا مفصل ذکر ہوا ہے جس کے اوّل میں خانۂ کعبہ کے جائے عبادت ہونے کا بیان تھا، اور اس کے آگے دعائے ابراہیمی کی حکایت تھی کہ انھوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ہمیں احکام مناسک سکھلا دیئے جاویں، اور مناسک میں حج و عمرہ بھی داخل ہیں پس بیت اللہ کا متعبَّد ہونا جیسے اس کے قبلۂ نماز بنانے سے ظاہر کیا گیا اسی طرح حج و عمرہ میں بیت اللہ کو مقصد بنا کر اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔

اب آیت آئندہ میں اس کے مقصد حج و عمرہ بننے کے متعلق ایک مضمون کا بیان ہے، وہ یہ کہ

صفا و مروہ دو پہاڑیاں مکہ میں ہیں، حج و عمرہ میں کعبہ کا طواف کرکے ان کے درمیان میں دوڑتے چلتے ہیں، جس کو سعی کہتے ہیں، چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ سعی ہوتی تھی، اور اس وقت صفا و مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں، اس لئے بعض مسلمانوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسوم جاہلیت سے ہو اور موجبِ گناہ ہو اور بعض جاہلیت میں بھی اس کو گناہ سمجھتے تھے، ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اسلام میں بھی گناہ ہو، اللہ تعالیٰ کو یہ شبہ دفع فرمانا مقصود ہے، پس مضمون سابق میں کعبہ کے قبلۂ نماز ہونے پر اعتراض کفار کا دفع کرنا مقصود تھا، اور مضمون لاحق میں کعبہ کے مقصدِ حج و عمرہ ہونے کے متعلق ایک امر یعنی صفا و مروہ کی سعی پر خود مسلمانوں کے شبہ کا ازالہ فرمانا مقصود ہے، یہ وجہ دونوں مضمونوں میں ربط کی ہے۔

خلاصۂ تفسیر

(صفا و مروہ کی سعی میں کوئی شبہ نہ کرو، کیونکہ) تحقیقاً صفا اور مروہ (اور ان کے درمیان میں سعی کرنا) منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں (جیسا تم کو شبہ ہو گیا) ان دونوں کے درمیان (سعی کے معروف طریقہ کے مطابق) آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے اور گناہ کیا بلکہ ثواب ہوتا ہے، کیونکہ یہ سعی تو شرعاً امرِ خیر ہے) اور (ہمارے یہاں کا ضابطہ ہے کہ) جو شخص خوشی سے کوئی امرِ خیر کرے تو حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں (اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص) خوب جانتے ہیں، (پس اس ضابطہ کی رُو سے سعی کرنے والے کو بمقدارِ اخلاص ثواب عنایت ہوگا)۔

معارف و مسائل

بعض لغات کی تحقیق

شَعَآئِرِ اللّٰهِ، شعائر جمع ہے شعیرہ کی، جس کے معنی علامت کے ہیں، شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے، حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں، اور اصطلاحِ قرآن و سنت میں خاص خانۂ کعبہ کا قصد کرنے اور وہاں افعالِ مخصوصہ کے ادا کرنے کو حج کہا جاتا ہے، عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں مسجد حرام کی حاضری اور طواف و سعی کو کہا جاتا ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے

حج اور عمرہ اور سعی کا طریقہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اور یہ سعی امام احمدؒ کے نزدیک سنت مستحبہ ہے، اور مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، کہ ترک سے ایک بکری ذبح کرنا پڑتی ہے۔

آیتِ مذکورہ کے الفاظ سے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ اس آیت میں تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے متعلق صرف اتنا فرمایا گیا ہے کہ وہ گناہ نہیں، اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت

۲۶

ہوا کہ سعی مباحات میں سے ایک مباح ہے، وجہ یہ ہے کہ اس جگہ عنوان لَا جُنَاحَ کا سوال کی مناسبت سے رکھا گیا ہے، سوال اسی کا تھا کہ صفا و مروہ پر بتوں کی مورتیں رکھی تھیں اور اہل جاہلیت انہی کی پوجا پاٹ کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، اس لئے یہ عمل حرام ہونا چاہئے، اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، چونکہ یہ دراصل سنتِ ابراہیمیؑ ہے کسی کے جاہلانہ عمل سے کوئی گناہ نہیں ہو جاتا، یہ فرمانا اس کے واجب ہونے کے منافی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے

بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ

کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں اُن پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں

اللَّاعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ

اُن پر لعنت کرنیوالے، مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کلام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو اُن کو معاف

عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا

کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنیوالا نہایت مہربان، بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے

وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ

کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی

أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ

سب کی، ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا اُن پر سے عذاب اور

لَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

نہ اُن کو مہلت ملے گی۔

ربط

اوپر بحثِ قبلہ کے ضمن میں صاحبِ قبلہ کی نبوت کے متعلق اہل کتاب کی حق پوشی کا مضمون مذکور تھا، اس آیت میں اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ الی قولہ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ آگے اس مضمون کی تکمیل کے واسطے حق کو چھپانے والوں کی اور کتمانِ حق پر اصرار کرنے والوں کی وعید اور توبہ کرنے پر معافی کا وعدہ ارشاد فرماتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

جو لوگ اخفاء کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کے لئے) ہادی ہیں (اور اخفاء بھی) اس (حالت) کے بعد کہ ہم ان (مضامین) کو کتاب (الٰہی توراۃ و انجیل) میں (نازل فرما کر) عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں (کہ اپنی رحمتِ خاصہ سے اُن کو بعید کر دیتے ہیں) اور (دوسرے بہتیرے) لعنت کرنے والے بھی (جن کو اس فعل سے نفرت ہی) اُن پر لعنت بھیجتے ہیں (کہ ان پر بددعا کرتے ہیں ہاں) مگر جو لوگ (ان اخفاء کرنے والوں میں اپنی اس حرکت سے) توبہ (یعنی حق تعالیٰ کے روبرو گذشتہ سے معذرت) کرلیں اور (جو کچھ ان کے اس فعل سے خرابی ہوگئی تھی آئندہ کے لئے اس کی) اصلاح کردیں (اور اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان اخفاء کئے ہوئے مضامین کو عام طور پر) ظاہر کردیں (تاکہ سب کو اطلاع ہوجائے اور ان پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا بار نہ رہے اور اظہار معتبر عندالشرع یہ ہے کہ اسلام کو قبول کرلیں، کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوتِ محمدیہ کے متعلق عوام پر بھی حق مخفی رہے گا، وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ کتاب جاننے والے لوگ کیوں نہ ایمان لاتے، خلاصہ یہ کہ یہ لوگ مسلمان ہوجاویں) تو ایسے لوگوں (کے حال) پر میں (عنایت سے) متوجہ ہوجاتا ہوں (اور ان کی خطا معاف کردیتا ہوں) اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کرلینا، اور مہربانی فرمانا (کوئی توبہ کرنے والا ہونا چاہئے) البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں، اور اسی حالتِ غیر اسلام پر مرجاویں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی (لعنت) میں رہیں گے (حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے، اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دُور بھی رہے گا اور ہمیشہ ملعون رہنا یہی ہے، اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت) ان (پر) سے (جہنم کا) عذاب ہلکا (بھی) نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو (کسی میعاد تک) مہلت دی جاوے گی (کیونکہ میعاد اس وقت دی جاتی ہے، جب کہ مقدمہ میں گنجائش ہو اور گنجائش نہ ہونے پر اول ہی پیشی میں حکم سزا ہوجاتا ہے)۔

معارف و مسائل

علمِ دین کا اظہار اور پھیلانا واجب اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے

آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بینات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا

بڑا جرم عظیم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام مخلوق لعنت بھیجتی ہے، اس سے چند احکام حاصل ہوئے:

اوّل یہ کہ جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہے اس کا چھپانا حرام ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ يَعْلَمُهُ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ (رواہ ابو ہریرۃؓ وعمرو بن العاصؓ اخرجہ ابن ماجۃ۔ از قرطبی)	یعنی جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہو اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر وہ اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں اللہ تعالیٰ آگ کی لگام ڈالیں گے۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ کا بیان کرنے والا وہاں موجود نہ ہو، اور اگر دوسرے علماء بھی موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہدے کہ دوسرے علماء سے دریافت کرلو (قرطبی، جصاص)

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ جس کو خود صحیح علم حاصل نہیں اس کو مسائل و احکام بتانے کی جرأت نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرا مسئلہ۔ یہ معلوم ہوا کہ علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انھیں علوم و مسائل سے متعلق ہے، جو قرآن و سنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے، وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں گے تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے، اور وہ کتمانِ علم کے حکم میں نہیں ہے، آیت مذکورہ میں لفظ مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى سے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کردوگے (قرطبی)

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے ہی علم کا اظہار کرو جس کو ان کی عقل و فہم برداشت کرسکے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں، کیونکہ جو بات ان کی سمجھ سے باہر ہوگی، ان کے دلوں میں اس سے شبہات و خدشات پیدا ہوں گے، اور ممکن ہے کہ اس سے انکار کر بیٹھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے، جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس کے سامنے ایسے مسائل بیان ہی نہ کرے اسی لئے حضرات فقہاء بہت سے مسائل کے بیان کے بعد لکھ دیتے ہیں هٰذَا مِمَّا يُعْرَفُ وَلَا يُعَرَّفُ

یعنی یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اہل علم کو خود تو سمجھ لینا چاہئے مگر عوام میں پھیلانا نہیں چاہئے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَمْنَعُوا الْحِكْمَةَ أَهْلَهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ وَلَا تَضَعُوْهَا فِيْ غَيْرِ أَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهَا

"یعنی حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو ان لوگوں پر ظلم ہوگا، اور جو اہل نہیں ہیں ان کے سامنے حکمت کی باتیں نہ رکھو، کیونکہ اس صورت میں اس حکمت پر ظلم ہوگا"

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی کافر کو جو مسلمانوں کے مقابلہ میں مناظرے کرتا ہو یا کوئی مبتدع گمراہ جو لوگوں کو اپنے غلط خیالات کی طرف دعوت دیتا ہو اس کو علم دین سکھانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ علم سکھانے سے اس کے خیالات درست ہو جائیں گے۔

اسی طرح کسی بادشاہ یا حاکم وقت کو ایسے مسائل بتلانا جن کے ذریعہ وہ رعیت پر ظلم کرنے کا راستہ نکال لیں جائز نہیں، اسی طرح عوام کے سامنے احکام دین میں رخصتیں اور حیلوں کی صورتیں بلاضرورت بیان نہ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے وہ احکام دین پر عمل کرنے میں حیلہ جوئی کے عادی بن جائیں (قرطبی)

حدیث رسولؐ بھی قرآن کے حکم میں ہے

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا، آیت سے مراد یہی آیت ہے جس میں کتمان علم پر لعنت کی وعید شدید مذکور ہے، ایسے ہی بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی بعض روایات حدیث کے ذکر کرنے کے ساتھ ایسے ہی الفاظ فرمائے کہ اگر قرآن کریم کی یہ آیت کتمان علم کے بارے میں نہ ہوتی تو میں یہ حدیث بیان نہ کرتا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم قرآن ہی کے حکم میں ہے، کیونکہ آیت میں تو کتمان کی وعید اُن لوگوں کے لئے آئی ہے جو قرآن میں نازل شدہ ہدایات و بینات کو چھپائیں، اس میں حدیث کا صراحۃً ذکر نہیں، لیکن صحابہ کرامؓ نے حدیث رسولؐ کو بھی قرآن ہی کے حکم میں سمجھ کر اس کے اخفاء کرنے کو اس وعید کا سبب سمجھا۔

بعض گناہوں کا وبال ایسا ہوتا ہے کہ اس پر ساری مخلوق لعنت کرتی ہے

وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ میں قرآن کریم نے لعنت کرنے والوں کو متعین نہیں کیا کہ کون لوگ لعنت کرتے ہیں، امام تفسیر مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے فرمایا کہ اس عدم تعیین سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دنیا کی ہر چیز اور ہر مخلوق ان پر لعنت کرتی ہے، یہاں تک کہ تمام جانور اور حشرات الارض بھی اُن پر لعنت

کرتے ہیں، کیونکہ ان کی بداعمالی سے ان سب مخلوقات کو نقصان پہونچتا ہے، حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللّٰعِنُوْنَ سے مراد تمام زمین پر چلنے والے جانور ہیں (قرطبی بحوالہ ابن ماجہ باسناد حسن)

کسی معین شخص پر لعنت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے کفر پر مرنے کا یقین ہو

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ کے لفظ سے جصاص اور قرطبی وغیرہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں، اس لئے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے آپؐ کو ان کی موت علی الکفر کا منجانب اللہ علم ہو گیا تھا، البتہ عام کافروں، ظالموں پر بغیر تعیین کے لعنت کرنا درست ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ کسی کافر پر بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوگی، تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور عوام اس سے بالکل غفلت میں ہیں خصوصاً عورتیں کہ بات بات پر لعنت کے الفاظ اپنے متعلقین کے متعلق استعمال کرتی رہتی ہیں، اور لعنت صرف لفظ لعنت ہی کے کہنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ہم معنی جو الفاظ ہیں وہ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں، لعنت کے اصلی معنی خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں، اس لئے کسی کو مردود، راندۂ درگاہ، اللہ مارا وغیرہ کے الفاظ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔

۱۹ ع ۱۱ ۲ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ

اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا

اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ

اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور

بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ

پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے

بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک اُن سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے

ربط | مشرکین عرب نے جو آیت وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اپنے عقیدہ کے خلاف سُنی تو تعجب سے کہنے لگے کہ کہیں سارے جہان کا ایک معبود بھی ہو سکتا ہے، اور اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو کوئی دلیل پیش کرنا چاہئے، حق تعالیٰ آگے دلیل بیان فرماتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر | اور (ایسا معبود) جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی) ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی رحمٰن ہے، رحیم ہے، (اور کوئی ان صفات میں کامل نہیں، اور بدون کمالِ صفات معبودیت کا استحقاق باطل ہے پس بجز معبود حقیقی کے کوئی اور مستحق عبادت نہ ہوا) بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں (کے چلنے) میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لے کر، اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس (پانی) سے زمین کو تر و تازہ کیا، اس کے خشک ہونے پیچھے (یعنی اس میں نباتات پیدا کئے) اور (ان نباتات سے) ہر قسم کے حیوانات اس (زمین) میں پھیلا دیئے (کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے) اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں (کہ کبھی پروا ہے کبھی پچھوا کبھی گرم ہے کبھی سرد) اور ابر (کے وجود) میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے (ان تمام چیزوں میں) دلائل (توحید کے موجود ہیں) ان لوگوں کے (استدلال کے) لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

معارف و مسائل

توحید کا وسیع مفہوم | وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اللہ تعالیٰ کی توحید متعدد اور مختلف حیثیتوں سے ثابت ہے۔ مثلاً وہ ایک ہے، یعنی کائنات میں کوئی اس کی نظیر و شبیہ نہیں، نہ کوئی اس کا ہمسر و برابر ہے، اس لئے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو واحد کہا جائے۔

دوسرے یہ کہ وہ ایک ہے استحقاقِ عبادت میں یعنی اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

تیسرے یہ کہ وہ ایک ہے یعنی ذی اجزاء نہیں، وہ اجزاء و اعضاء سے پاک ہے، نہ اس کا

تجزیہ اور تقسیم ہو سکتی ہے۔

چوتھے یہ کہ وہ ایک ہے یعنی اپنے وجود ازلی ابدی میں ایک ہے، وہ اس وقت بھی موجود تھا، جب کوئی چیز موجود نہ تھی، اور اس وقت بھی موجود رہے گا جب کوئی شئ موجود نہ رہے گی، اس لئے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو واحد کہا جائے، لفظ واحد میں یہ تمام حیثیتیں توحید کی ملحوظ ہیں (جصاص)

اس کے بعد حق تعالیٰ کے واحد حقیقی ہونے پر تکوینی علامات و دلائل بتلائے گئے ہیں جنکو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے، کہ آسمان و زمین کی تخلیق اور رات دن کے دائمی انقلاب اس کی قدرتِ کاملہ اور توحید کے واضح دلائل ہیں، کہ ان چیزوں کی پیدائش اور بقاء میں کسی دوسری ہستی کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح پانی پر کشتیوں کا چلنا ایک بڑی آیتِ قدرت ہے، کہ پانی کو حق تعالیٰ نے ایسا جوہر سیال بنا دیا کہ رقیق اور سیال ہونے کے باوجود اس کی پیٹھ پر لاکھوں من وزن کے جہاز بڑے بڑے وزن کو لے کر مشرق سے مغرب تک منتقل کر دیتے ہیں، اور ان کو حرکت میں لانے کے لئے ہواؤں کا چلانا اور پھر اپنی حکمت کے ساتھ ان کے رُخ بدلتے رہنا یہ سب اس کا پتہ دیتے ہیں کہ ان چیزوں کا پیدا کرنیوالا اور چلانے والا کوئی بڑا علیم و خبیر اور حکیم ہے، اگر پانی کا مادہ سیال نہ ہو تو یہ کام نہیں ہو سکتا، اور مادہ سیال بھی ہو تو جب تک ہوائیں نہ چلیں جو ان جہازوں کو حرکت میں لاتی ہیں، جہازوں کا لمبی لمبی مسافتیں طے کرنا ممکن نہیں، قرآن کریم نے اسی مضمون کو فرمایا:

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ (۴۲ : ۳۳)	"اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ہواؤں کو ساکن کر دیں اور یہ جہاز سمندر کی پشت پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں"

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ کے لفظ میں اشارہ کر دیا گیا کہ بحری جہازوں کے ذریعہ ایک ملک کا سامان دوسرے ملک میں درآمد و برآمد کرنے کے ذریعہ عام انسانوں کے بے شمار فائدے ہیں جن کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا، اور یہ فائدے ہر زمانے ہر ملک میں نئی نئی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں۔

اسی طرح آسمان سے پانی کو قطرہ قطرہ کرکے اس طرح نازل کرنا کہ اس سے کسی چیز کو نقصان نہ پہونچے، اگر سیلاب کی طرح آتا تو کوئی آدمی جانور، سامان کچھ نہ رہتا، پھر پانی برسنے کے بعد اس کا زمین پر محفوظ رکھنا، انسان کے بس کا نہیں، اگر کہہ دیا جاتا کہ چھ مہینہ کے پانی کا کوٹہ اپنا اپنا ہر شخص رکھ لے، تو ہر شخص اس کے رکھنے کا کیا انتظام کرتا، اور کسی طرح رکھ بھی لیتا تو اس کو سڑنے اور خراب ہو جانے سے کیسے بچاتا، قدرت نے یہ سب انتظامات خود فرما دیئے

ارشاد فرمایا:

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ (۲۳ : ۱۸)

یعنی ہم نے ہی پانی کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا، اگرچہ ہمیں اس کی بھی قدرت تھی کہ بارش کا پانی برسنے کے بعد بہہ کر ختم ہو جاتا۔"

مگر قدرت نے پانی کو اہلِ زمین انسان اور جانوروں کے لئے کہیں کھلے طور پر تالابوں اور حوضوں میں جمع کر دیا، کہیں پہاڑوں کی زمین میں پھیلی ہوئی رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور پھر ایک غیر محسوس پائپ لائن ساری زمین میں بچھا دی، ہر شخص جہاں چاہے کھود کر پانی نکال لیتا ہے اور اسی پانی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بحر منجمد بنا کر برف کی صورت میں پہاڑوں کے اوپر لاد دیا جو سڑنے اور خراب ہونے سے بھی محفوظ ہے، اور آہستہ آہستہ پگھل کر زمین کے اندر قدرتی پائپ لائن کے ذریعہ پورے عالم میں پہونچتا ہے، غرض آیتِ مذکورہ میں قدرتِ کاملہ کے چند مظاہر کا بیان کر کے توحید کو ثابت کیا گیا، علماء مفسرین نے ان تمام چیزوں پر تفصیلی بحث کی ہے، دیکھئے جصاص، قرطبی وغیرہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو ان کی محبت ایسے رکھتے ہیں جیسے

كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو ان سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی، اور اگر دیکھ لیں یہ

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوت ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ

شَدِيْدُ الْعَذَابِ (۱۶۵)

کا عذاب سخت ہے۔

ربط اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا، آگے مشرکین کی غلطی اور وعید کا بیان فرماتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اور ایک آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک

(خدائی) قرار دیتے ہیں (اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور) ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری ہے، (یہ حالت تو مشرکین کی ہے) اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے، (کیونکہ اگر کسی مشرک کو یہ ثابت ہو جاوے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پڑے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جاوے، اور مومن باوجود اس کے کہ نافع وضار حق تعالیٰ ہی کو اعتقاد کرتا ہے، لیکن پھر بھی محبت و رضا اس کی باقی رہتی ہے، و نیز اکثر مشرکین مصیبت شدیدہ کے وقت اپنے شرکاء کو چھوڑ دیتے ہیں، اور مومنین من حیث الایمان مصیبت میں بھی خدا کو نہ چھوڑتے تھے، اور محاورات میں ایسے قضایا باعتبار حالتِ غالبہ کے بھی صادق ہوتے ہیں) اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کر کے) یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے (اور دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں، چنانچہ اس مصیبت کو نہ کوئی روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں اور کوئی یاد رہا) اور (اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے) یہ (بھی سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں کہ دار الجزاء ہے اور بھی) سخت ہوگا، (تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت منکشف ہو کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ

جب کہ بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی اُن سے جو کہ اُن کے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (۱۶۶) وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا

اور منقطع ہو جاویں گے ان کے سب علاقے، اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف

كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے، اسی طرح پر دکھلائے گا اللہ

ع ۲۰ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (۱۶۷)

ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار سے۔

ربط اوپر عذاب آخرت کو سخت فرمایا ہے آگے اس سختی کی کیفیت کا بیان فرماتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر (وہ سختی عذاب کی اس وقت معلوم ہوگی) جب کہ (ان مشرکین میں سے) وہ (ذی اثر) لوگ جن کے کہنے پر دوسرے (عوام) چلتے تھے، ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہوجاویں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب (خواص وعوام) عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے (کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ) اس وقت سب قطع ہوجاویں گے (جیسے دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم میں سب شریک ومتفق ہوتے ہیں اور تنقیح مقدمہ کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں، حتی کہ باہمد گر شناخت تک کے منکر ہوجاتے ہیں) اور (جب) یہ تابع لوگ (متبوعین کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجلاویں گے، اور تو کچھ نہ ہوسکے گا مگر جلاکر) یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو (دنیا میں) بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جاوے تو ہم بھی ان سے (اتنا بدلہ تو لیلیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان سے صاف (ٹکا سا جواب دے کر) الگ ہوجاویں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے (اور کہدیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر بے رخی کی تھی اب ہم سے کیا غرض، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے کیا ہاتھ آوے گا فقط) اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیو کو خالی ارمان (کے پیرایے میں) کرکے ان کو دکھلادیں گے اور ان (تابعین ومتبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا (کیونکہ شرک کی سزا خلود فی النار ہے)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

اے لوگو: کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان

الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ

کی بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح ، وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بیحیائی کرو

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔

خلاصۂ تفسیر (بعض مشرکین بتوں کے نام جانور چھوڑتے تھے، اور ان سے منتفع ہونے کو باعتقاد ان کی تعظیم کے حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کو حکم الٰہی اور موجب رضائے حق و وسیلۂ تقرب الی اللہ بواسطۂ شفاعت ان بتوں کے سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس باب میں خطاب فرماتے ہیں کہ) اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال

پاک چیزوں (کی نسبت اجازت ہے کہ ان) کو کھاؤ (برتو) اور (ان میں سے کسی حلال چیز سے یہ سمجھ کر پرہیز کرنا کہ اس سے اللہ راضی ہوگا یہ سب شیطانی خیالات ہیں تم) شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ (شیطان) تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے ایسے خیالات وجہالات سے تم کو خسرانِ ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے) وہ تم کو انہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں، اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے (مثلاً یہی کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا اس طرح حکم ہے)۔

معارف ومسائل

حلّ اللغات حَلٰلًا طَيِّبًا، لفظ حلٰل کے اصلی معنی گرہ کھولنے کے ہیں، جو چیز انسان کے لئے حلال کردی گئی گویا ایک گرہ کھول دی گئی اور پابندی ہٹا دی گئی، حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں منحصر ہے، حلال کھانا، فرائض ادا کرنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا، اور لفظ طیب کے معنی ہیں پاکیزہ جس میں شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے اور طبعی مرغوب ہونا بھی۔

خُطُوٰتِ، خطوہ کی جمع ہے، اتنی مقدار کو خطوہ کہتے ہیں جو دونوں قدموں کے درمیان کا فاصلہ ہے، خطوات شیطان سے مراد شیطانی اعمال وافعال ہیں۔

اَلسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ، سوء وہ چیز جس کو دیکھ کر عقلمند شریف آدمی کو دکھ ہو، فحشاء، بے حیائی کا کام، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ سوء سے مراد مطلق معصیت اور فحشاء سے مراد کبیرہ گناہ ہے، اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ شیطان کے امر اور حکم کرنے سے مراد دل میں وسوسہ ڈالنا ہے، جیسا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے کے قلب میں ایک شیطانی الہام واثر ہوتا ہے اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے، شیطانی وسوسہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ برے کام کرنے کے فوائد اور مصالح سامنے آتی ہیں، اور حق کو جھٹلانے کی راہیں کھلتی ہیں، اور الہام فرشتہ کا اثر خیر اور نیکی پر انعام وفلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب کا مطمئن ہونا ہوتا ہے۔

مسئلہ: سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں، یا اور کوئی جانور مرغا، بکرا وغیرہ کسی بزرگ یا اور کسی غیر اللہ کے نامزد کردیا جاتا ہے، اس کا حرام ہونا ابھی چار آیتوں کے بعد وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت آنے والا ہے، اس آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ میں ایسے جانور کے حرام ہونے کی نفی کرنا منظور نہیں، جیسا کہ بعضوں کو شبہ ہوگیا بلکہ مقصد اس فعل کی حرمت وممانعت ہے کہ

غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانوروں کو چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت و تقرب سمجھنا، اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کرلینے کا معاہدہ کرلینا اس کو دائمی سمجھنا یہ سب افعال ناجائز اور ان کا کرنا گناہ ہے۔

تو حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے ان کو بتوں کے نام کرکے حرام نہ بناؤ، بلکہ اپنی حالت پر چھوڑ کر کھاؤ پیو، اور اگر ایسی حرکت جہالت سے ہو جائے تو اصلاحِ نیت کے ساتھ تجدید ایمان اور توبہ کرکے اس حرمت کو ختم کرو، اس طرح ان جانوروں کو تعلیقاً حرام قرار دینا تو گناہ ہوا، مگر غیر اللہ کے نام پر کر دینے سے یہ مردار اور نجس کے حکم میں ہو گیا، نجاست کی وجہ سے حرمت ثابت ہو گئی۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے ساتھ نامزد کرکے چھوڑ دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس خیالِ حرمت سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے، تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا، واللہ اعلم۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا

اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

کریں گے اسکی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ اُن کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ،

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً

اور مثال اُن کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایسی چیز کو جو کچھ نہ سنے سوائے پکارنے

وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور چلّانے کے بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

خلاصۂ تفسیر

اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس پر چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں (کہ نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے (کیونکہ وہ لوگ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں مامور من اللہ تھے، حق تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں) کیا (ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے)

اگرچہ اُن کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں، وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ (والی قول) فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، اور ان کافروں کی کیفیت (نافہمی میں) اس (جانور) کی کیفیت کے مثل ہے (جس کا ذکر اس مثال میں کیا جاتا ہے) کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے، جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی (پُرمضمون) بات نہیں سنتا (اسی طرح یہ کفار (بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں، لیکن کام کی بات سے بالکل) بہرے ہیں (گویا سنا ہی نہیں) گونگے ہیں (کہ کبھی ایسی بات زبان ہی پر نہیں آتی) اندھے ہیں (کیونکہ نفع نقصان نظر ہی نہیں آتا) سو (جب سارے ہی حواس مختل ہیں تو) سمجھتے (سمجھاتے) کچھ نہیں۔

معارف و مسائل

اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید و اتباع کی مذمت ثابت ہوئی اسی طرح جائز تقلید و اتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہو گیا، جس کی طرف دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے لَا يَعْقِلُوْنَ اور لَا يَهْتَدُوْنَ، کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء و اجداد کی تقلید و اتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انھیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے، اور عقل سے مراد وہ جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے۔

تو وجہ ان کے اتباع و تقلید کے عدم جواز کی یہ ہے کہ نہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے احکام نکال سکیں، اس میں اشارہ پایا گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ اس کے پاس قرآن و سنت کا علم ہے اور اس کو درجۂ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحۃً قرآن و سنت میں نہ ہوں ان کو نصوص قرآن و سنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے، تو ایسے عالم مجتہد کی تقلید و اتباع جائز ہے، نہ اس لئے کہ اس کا حکم ماننا اور اس کا اتباع کرنا ہے، بلکہ اس لئے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے، مگر چونکہ ہم براہ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتے، اس لئے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو سکے۔

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیات پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔

امام قرطبیؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں تقلید آباء کے ممنوع ہونے

کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے، عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورۂ یوسف میں اس طرح آئی ہے:

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۝ (۱۲: ۳۷-۳۸)	"میں نے ان لوگوں کی ملت و مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں، اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا۔"

اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے، حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

امام قرطبیؒ نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کے متعلق بھی مسائل و احکام بیان کئے ہیں اور فرمایا ہے:

تعلق قوم بھذہ الآیۃ فی ذم التقلید (الیٰ) وھذا فی الباطل صحیح اما التقلید فی الحق فاصل من اصول الدین وعصمۃ من عصم المسلمین یلجاء الیھا الجاھل المقصر عن درک النظر (قرطبی، ص ۱۹۴ ج ۲)	"کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے، لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا

لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ

اگر تم اسی کے بندے ہو، اس نے تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور

الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان

خلاصۂ تفسیر

اوپر اکل طیبات کے معاملہ میں مشرکین کی غلطی بتلا کر ان کی اصلاح مقصود تھی، آگے اہل ایمان کو اس بات سے متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس غلطی میں مشرکین کی موافقت نہ کرنے لگیں، اسی کے ضمن میں اہل ایمان کو اپنے انعامات کا ذکر اور اس پر ادائے شکر کی تعلیم بھی ہے۔

اے ایمان والو! (ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ) جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور (اس اجازت کے ساتھ یہ حکم ہے کہ) حق تعالیٰ کی شکر گذاری کرو، (زبان سے بھی ہاتھ پاؤں سے خدمت و طاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی) اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو (اور یہ تعلق ہونا مسلّم اور ظاہر ہے، پس وجوب شکر بھی ثابت ہے)۔

ربط اوپر تو اس کا بیان تھا کہ حلال کو حرام مت کرو، آگے یہ مذکور ہوتا ہے کہ حرام کو حلال مت سمجھو، جیسا کہ مشرکین اس میں مبتلا تھے، مثلاً مردار جانور، اور ایسے جانور جن کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، مشرکین ان کو کھایا کرتے تھے، اس سے منع کیا گیا، اسی کے ضمن میں یہ بھی بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک فلاں فلاں جانور حرام ہیں، ان کے سوا دوسرے جانوروں کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا غلطی ہے، اس سے پچھلے مضمون کی تائید ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف (ان چیزوں کو) حرام کیا ہے (اور ان چیزوں کو حرام نہیں کیا جن کو تم اپنی طرف سے حرام کر رہے ہو، جیسا کہ گذرا یعنی) مردار (جانور) کو (جو باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا ذبح شرعی مر جاوے) اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (ان سب کو بیشک حرام کیا ہے) پھر بھی (اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ) جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جاوے، بشرطیکہ نہ تو (کھانے میں) طالب لذت ہو، اور نہ (قدر ضرورت و حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو (اس حالت میں ان چیزوں سے کھانے میں بھی) اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم (کہ ایسے وقت میں یہ رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں بھی گناہ اٹھا دیا)

معارف و مسائل

حلال کھانے کی برکت اور حرام کھانے کی نحوست

آیاتِ مذکورہ میں جیسے حرام کھانے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح حلال طیب چیزوں کے کھانے اور اس پر شکر گذار ہونے کی ترغیب بھی ہے، کیونکہ جس طرح حرام کھانے سے اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے، دعاء قبول نہیں ہوتی، اسی طرح حلال کھانے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے، اخلاقِ رذیلہ سے نفرت، اخلاقِ فاضلہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے، عبادت میں دل لگتا ہے، گناہ سے دل گھبراتا ہے، دعاء قبول ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے سب رسولوں کو یہ ہدایت فرمائی ہے،

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (۵۱:۲۳)	"اے ہمارے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو"

اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کرنے میں رزقِ حلال کو بڑا دخل ہے، اسی طرح قبولِ دعا میں حلال کھانا معین اور حرام مانعِ قبول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے لوگ طویل السفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام، ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہو سکتی ہے (صحیح مسلم، ترمذی، از ابن کثیر)

اِنَّمَا حَرَّمَ، کلمہ اِنَّمَا حصر کے لئے آتا ہے، اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہ چیزیں حرام کی ہیں، جن کا آگے ذکر کیا جاتا ہے، اس کے سوا کچھ حرام نہیں، اس آیت میں تو لفظ اِنَّمَا سے اس کی طرف اشارہ ہوا، اور دوسری آیت میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ یہ بھی آیا ہے، قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ الآیۃ (۶: ۱۴۵) اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ میری وحی میں بجز ان چند چیزوں کے جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے، اور کوئی چیز حرام نہیں۔

مگر اس پر اشکال یہ ہو کہ دوسری آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے ان چند چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں کی حرمت ثابت ہے، تو یہ حصر اور حرمت ماسویٰ کی نفی کیسے درست ہوگی؟

جواب یہ ہو کہ یہاں مطلق حلال و حرام کا بیان نہیں، بلکہ ان مخصوص جانوروں کی حلت و حرمت کا بیان ہے جن کے بارے میں مشرکینِ مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کی غلطیاں کیا کرتے تھے، پچھلی آیت میں اس کی وضاحت آچکی ہے کہ بہت سے حلال جانوروں کو مشرکین حرام سمجھ لیتے

۲۷

تھے، یا اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، اس کی مخالفت کی گئی تھی، اس کے بالمقابل یہاں یہ بتلایا گیا کہ اللہ کے نزدیک فلاں فلاں جانور حرام ہیں جن سے تم اجتناب نہیں کرتے، اور جو اللہ کے نزدیک حلال ہیں ان سے پرہیز کرتے ہو، اس لئے اس جگہ حصر مطلق نہیں، بلکہ اضافی ہے مشرکانہ عقائد کے بالمقابل۔

آگے اس آیت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ چار چیزیں یہ ہیں؛

میتہ (مردار)، خون، لحم خنزیر، وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پھر چاروں چیزوں کی مزید تشریحات خود قرآن کریم کی دوسری آیات اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں جن کو ملانے کے بعد ان چاروں چیزوں کے احکام حسب ذیل ہیں، ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

میتہ جس کو اردو میں مردار کہتے ہیں، اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے ازروئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے، مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مرجائے، یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ مار کر مار دیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہے، لیکن خود قرآن کریم کی دوسری آیت اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ (۵: ۹۶) سے معلوم ہوا کہ دریائی جانور کے لئے ذبح کرنا شرط نہیں، وہ بلا ذبح بھی جائز ہے، اس بناء پر احادیث صحیحہ میں مچھلی اور ٹڈی کو میتہ سے مستثنیٰ قرار دے کر حلال کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارے لئے دو مردار حلال کر دیئے گئے، ایک مچھلی دوسرے ٹڈی، اور دو خون حلال کر دیئے گئے، جگر اور طحال (ابن کثیر از احمد، ابن ماجہ، دارقطنی)

معلوم ہوا کہ جانوروں میں سے مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کے حلال ہیں، خواہ وہ خود مر جائیں یا کسی کے مارنے سے مر جائیں، البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے خود پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے (جصاص)

اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کر لیا جائے اور اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ دھار دار چیز سے زخم لگا دیں تو بغیر ذبح کے حلال ہو جاتا ہے، مطلقاً زخمی ہو جانا کافی نہیں، کسی آلہ جارحہ تیز دھار سے زخمی ہونا شرط ہے۔

بندوق کی گولی سے شکار مسئلہ: بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مر جائے تو وہ ایسا ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مر جائے جس کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں مَوْقُوْذَةُ کہا گیا ہے، اور حرام قرار دیا ہے، ہاں مرنے سے پہلے اسکو ذبح کر لیا جائے تو حلال ہو جائیگا۔

مسئلہ: آجکل بندوق کی ایک گولی نوکدار بنائی گئی ہے اس کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ تیر کے حکم میں ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی تیر کی طرح آلہ جارحہ نہیں

بلکہ خارق ہو جس سے بارود کی طاقت کے ذریعہ گوشت پھٹ جاتا ہے، ورنہ خود اس میں کوئی دھار نہیں جس سے جانور زخمی ہو جائے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح کے جائز نہیں۔

مسئلہ: آیت مذکورہ میں مطلقاً میتہ کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، یہی حکم تمام نجاسات کا ہے، کہ جیسے ان کا استعمال حرام ہے اُن کی خرید و فروخت اور ان سے نفع اٹھانا بھی حرام ہے، یہاں تک کہ مردار جانور یا ناپاک کوئی چیز باختیار خود جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، ہاں ایسی جگہ رکھ دے جہاں سے کوئی کتا بلی خود کھا لے، یہ جائز ہے، مگر خود اٹھا کر ان کو کھلانا جائز نہیں۔ (جصاص، قرطبی وغیرہ)

مسئلہ: اس آیت میں میتہ کے حرام ہونے کا حکم عام معلوم ہوتا ہے، جس میں میتہ کے تمام اجزاء شامل ہیں، لیکن دوسری آیت میں اس کی تشریح عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ کے الفاظ کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں، جو کھانے کے قابل ہیں، اس لئے مردار جانور کی ہڈی، بال جو کھانے کی چیز نہیں وہ پاک ہیں، اور ان کا استعمال جائز ہے، آیت قرآن کریم وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (۱۶ : ۸۰) میں اُن جانوروں کے بالوں کو مطلقاً جائز الانتفاع قرار دیا ہے ذبیحہ کی شرط نہیں (جصاص)۔ کھال پر چونکہ خون وغیرہ کی نجاست لگی ہوتی ہے اس لئے وہ دباغت سے پہلے حرام ہے، مگر دباغت دینے کے بعد حلال اور جائز ہے، احادیث صحیحہ میں اس کی مزید تصریح موجود ہے (جصاص)

مسئلہ: مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں، ان کا استعمال کسی طرح سے جائز نہیں، اور خرید و فروخت بھی حرام ہے۔

مسئلہ: یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں صابون وغیرہ جن میں چربی استعمال ہوتی ہے، ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے، مگر مردار کی چربی ہونے کا علم یقینی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرامؓ ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت دی ہے، اس لئے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (جصاص)

مسئلہ: دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال کی جاتی ہے جس کو عربی زبان میں انفحہ کہا جاتا ہے، یہ جانور کے پیٹ سے نکالی جاتی ہے، اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے، اب اگر یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، مذبوح جانور کا گوشت چربی وغیرہ سب حلال ہیں، لیکن غیر مذبوح جانور کے پیٹ سے لیا جائے تو اس

میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اس کو پاک قرار دیتے ہیں، لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اور ثوریؒ وغیرہ اس کو ناپاک کہتے ہیں۔ (جصاص، قرطبی)

یورپ اور دوسرے غیر اسلامی ملکوں سے جو پنیر بنا ہوا آتا ہے اس میں غیر مذبوح جانوروں کا انفحہ استعمال ہونے کا احتمال غالب ہے، اس لئے جمہور فقہاء کے قول پر اس سے پرہیز کرنا چاہئے، امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے قول پر گنجائش ہے، ہاں یورپ سے آتے ہوئے بعض پنیر ایسے بھی ہیں جن میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے، اور ڈبہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے، وہ قطعاً حرام اور نجس ہیں۔

خون کے مسائل دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے لفظ دم بمعنی خون اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے، مگر سورۂ انعام کی آیت میں اس کے ساتھ مَسْفُوْحًا یعنی بہنے والا ہونے کی شرط ہے، اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (۶ : ۱۴۵) اس لئے باتفاق فقہاء خون منجمد جیسے گردہ، تلی وغیرہ وہ حلال اور پاک ہیں۔

مسئلہ: جب کہ حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، فقہاء و صحابہؓ و تابعینؒ اور امت کا اس پر اتفاق ہے، اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں، لیکن زیادہ ہو جائے تو اس کو بھی دھونا چاہئے (جصاص)

مسئلہ: جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے، اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے، اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید و فروخت بھی اور اس سے نفع اٹھانا حرام ہے، اسی طرح خون کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے، کیونکہ الفاظ قرآنی میں مطلقاً دم کو حرام فرمایا ہے، جس میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں۔

مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ انسانی خون انسان کا جزء ہے، اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس بھی ہے، اس کا اصل تقاضا تو یہی ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا دو وجہ سے حرام ہو، اوّل اس لئے کہ اعضاء انسانی کا احترام واجب ہے، اور یہ اُس احترام کے منافی ہے، دوسرے اس لئے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجس چیزوں کا استعمال ناجائز ہے۔

لیکن اضطراری حالات اور عام معالجات میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے۔

اوّل یہ کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے، مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل

کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدنِ انسانی سے بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جز بنتا ہے اور شریعت اسلام نے بچے کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ ہی کو اس کی غذا قرار دیا ہے، اور ماں پر اپنے بچوں کو دودھ پلانا واجب کیا، جب تک وہ بچوں کے باپ کے نکاح میں رہے طلاق کے بعد ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بچوں کا رزق مہیا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے وہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے، یا ان کی ماں ہی کو معاوضہ دیکر اس سے دودھ پلوائے، قرآن کریم میں اس کی واضح تصریح موجود ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ج (۶۵: ۶)	"اگر تمہاری مطلقہ بیوی تمہارے بچوں کو دودھ پلائے تو اس کو اجرت و معاوضہ دیدو"

خلاصہ یہ کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کے لئے دی گئی ہے، اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُسْعَطَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ الْمَرْأَةِ وَيَشْرَبَهُ لِلدَّوَاءِ (عالمگیری، ص ۴)	"اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے یا پینے میں استعمال کیا جائے"

اور مغنی ابن قدامہ میں اس مسئلہ کی مزید تفصیل مذکور ہے (مغنی کتاب الصید ص ۶۰۲ ج ۸)

اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے، اور جزء انسان ہونے میں مشترک ہے، فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک، تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی، صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج و دوا کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں، مگر علاج و دوا کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نصِ قرآنی کی رو سے جائز ہے، جس میں مضطر

کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے، اور اگر اضطراری حالت نہ ہو یا دوسری دوائیں بھی کام کر سکتی ہوں تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہا ہے، بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں، جس کی تفصیل کتب فقہ بحث تداوی بالمحرم میں مذکور ہے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم، احقر کا ایک مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر شائع ہوگیا ہے، جس کا نام ہے "اعضائے انسانی کی پیوند کاری" اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

تحریم خنزیر تیسری چیز جو اس آیت میں حرام کی گئی ہے وہ لحم خنزیر ہے، آیت میں حرمت خنزیر کے ساتھ لحم کی قید مذکور ہے، امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں، بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماعِ امت حرام ہیں، لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے، کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں، اگرچہ کھانا حرام ہی رہے، کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا، کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے (جصاص، قرطبی)

مَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تین صورتیں چوتھی چیز جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، جس کی تین صورتیں متعارف ہیں:

اوّل یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے، اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے، یہ صورت باتفاق و باجماعِ امت حرام ہے، اور یہ جانور میتہ ہے، اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں، کیونکہ یہ صورت آیت مَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول صریح ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے، یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو، لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں، لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں، یہ صورت بھی باتفاقِ فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

مگر تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے، بعض حضرات مفسرین و فقہاء نے اس کو بھی مَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول صریح قرار دیا ہے، جیسا کہ حواشی بیضاوی میں ہے:

فَكُلُّ مَا نُودِيَ عَلَيْهِ بِغَيْرِ اسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ حَرَامٌ وَإِنْ ذُبِحَ	"ہر وہ جانور جسکو غیر اللہ کے نام کر دیا گیا وہ حرام ہے، اگرچہ بوقت ذبح اللہ ہی کا

بِاسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی حَیْثُ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِیْحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهٖ التَّقَرُّبَ اِلٰی غَیْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِیْحَتُهٗ ذَبِیْحَةُ مُرْتَدٍّ

نام لیا ہو اس لئے کہ علماء فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے اگر کوئی مسلمان ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاوے گا، اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ کہلائے گا۔

نیز درمختار کتاب الذبائح میں ہے:

ذُبِحَ لِقُدُوْمِ الْاَمِیْرِ وَنَحْوِہٖ کَوَاحِدٍ مِّنَ الْعُظَمَاءِ یَحْرُمُ لِاَنَّهٗ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَلَوْ ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ وَاَقَرَّهُ الشَّامِیُّ [illegible]

"کسی امیر یا بڑے کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہوگا، کیونکہ وہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے، اگرچہ بوقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا ہو، اور شامی نے [illegible]

اور بعض حضرات نے اس صورت کو مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا مدلول صریح تو نہیں بنایا کیونکہ وہ بحیثیت عربیت تکلف سے خالی نہیں، مگر بوجہ اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی نیت کے اس کو بھی مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے ساتھ ملحق کرکے حرام قرار دیا ہے، احقر کے نزدیک یہی وجہ احوط اور اسلم ہے۔

نیز اس صورت کی حرمت کے لئے ایک مستقل آیت بھی دلیل ہے، یعنی وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ، نُصُب ان تمام چیزوں کو کہا جاتا ہے، جن کی باطل طور پر پرستش کی جاتی ہو معنے یہ ہیں کہ وہ جانور جسکو معبودات باطلہ کے لئے ذبح کیا گیا ہے، اس سے پہلے وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مَا اُہِلَّ کا مدلول صریح تو وہی جانور ہو جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا، اور ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (۳:۵) اسکے بالمقابل آیا ہے جس میں غیر اللہ کے نام لینے کا ذکر نہیں، صرف بتوں وغیرہ کی خوشنودی کی نیت سے ذبح کرنا مراد ہو، اس میں وہ جانور بھی داخل ہیں جن کو ذبح تو کیا گیا ہے غیر اللہ کے تقرب کے لئے مگر بوقت ذبح

عــہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر محض ذبح کے عمل سے کسی بڑے کی تعظیم مقصود ہو تو یہ حرام ہے، لیکن اگر مقصد مہمانی کرنا ہو اور اس مہمانی کیلئے جانور ذبح کیا جائے، یعنی اس کا گوشت مہمان کو کھلانا مقصود ہو، محض ذبح کے عمل سے تعظیم مقصود نہ ہو تو یہ سنت ضیافت ہے اور جائز ہے، اور دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں میزبانی کیلئے گوشت کا حصول مقصود ہوتا ہے، اور پہلی صورت میں تعظیم کی علامت کے طور پر جانور کو ذبح کرنا مقصود ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا گوشت کھایا جائے گا یا نہیں؟ چنانچہ درمختار میں آگے یہی وضاحت کی گئی ہے: ولو ذبح للضیف لا یحرم لانه سنة الخلیل واکرام الضیف اکرام الله تعالٰی۔ والفارق انه ان قدمها لیاکل منها کان الذبح لله والمنفعة للضیف او للولیمة او للربح وان لم یقدمها لیاکل منها بل یدفعها لغیرہ کان لتعظیم غیر الله فتحرم۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں مزید تشریح فرمادی ہے (رد المحتار ص ۳۰۹ و ۳۱۰ ج ۶) محمد تقی عثمانی ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ

اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ (افادہ شیخ حکیم الامتؒ)

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، اُن کی عبارت یہ ہے:

وَجَرَتْ عَادَةُ الْعَرَبِ بِالصِّیَاحِ بِاسْمِ الْمَقْصُوْدِ بِالذَّبِیْحَةِ وَغَلَبَ ذٰلِكَ فِیْ اِسْتِعْمَالِهِمْ حَتّٰی عَبَّرَ بِهٖ عَنِ النِّیَّةِ الَّتِیْ هِیَ عِلَّةُ التَّحْرِیْمِ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۷ ج ۲)

عرب کی عادت تھی کہ جس کیلئے ذبح کرنا مقصود ہوتا ذبح کرتے وقت اس کا نام بلند آواز سے پکارتے اور یہ رواج ان میں عام تھا یہاں تک کہ اس آیت میں تقرب الی غیر اللہ کو جو کہ اصل علت تحریم ہے اہلال کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔

امام قرطبیؒ نے اپنی اس تحقیق کی بنیاد صحابہ کرامؓ میں سے دو حضرات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ پر رکھی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں فرزدق شاعر کے باپ غالب نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا جس پر کسی غیر اللہ کا نام لینے کا کوئی ذکر نہیں، مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو بھی مَا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ میں داخل قرار دے کر حرام فرمایا، اور سب صحابہ کرامؓ نے اس کو قبول کیا، اسی طرح امام مسلمؒ کے شیخ یحییٰ بن یحییٰ کی سند سے صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے کہ ایک عورت نے حضرت صدیقہؓ سے سوال کیا کہ اُم المؤمنین! ہمارے کچھ رضاعی رشتہ دار عجمی لوگوں میں سے ہیں، اور ان کے یہاں تو روز روز کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا رہتا ہے، یہ اپنے تہواروں کے دن کچھ ہدیہ تحفہ ہمارے پاس بھی بھیج دیتے ہیں، ہم اس کو کھائیں یا نہیں؟ اس پر صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا:

اَمَّا مَا ذُبِحَ لِذٰلِكَ الْیَوْمِ فَلَا تَاْکُلُوْا وَلٰکِنْ کُلُوْا مِنْ اَشْجَارِهِمْ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۷ ج ۲)

"جو جانور اس عید کے دن کے لئے ذبح کیا گیا وہ نہ کھاؤ، لیکن اُن کے درختوں کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔"

الغرض یہ صورت ثانیہ جس میں نیت تو تقرب الی غیر اللہ کی ہو مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اوّل تو اشتراک علت یعنی نیت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے حکم میں ہو، دوسرے آیت وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ کا بھی مدلول ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہو کہ کسی جانور کو کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیا جائے، نہ اس سے کام لیں اور نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو، بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانیں، یہ جانور مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اور مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں، بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ وغیرہ کہا جاتا ہے، اور حکم ان کا یہ ہو کہ یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے، جیسا کہ آیت مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ

وَلَا سَائِبَۃٍ (۵: ۱۰۳) میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

مگر ان کے اس حرام عمل سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہوجاتا بلکہ اس کو حرام سمجھنے میں تو ان کے عقیدۂ باطلہ کی تائید و تقویت ہوتی ہے، اس لئے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے۔

مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اسی کا مملوک ہے، اگرچہ وہ اپنے غلط عقیدہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میری ملک سے نکل کر غیر اللہ کے لئے وقف ہوگیا، مگر شرعاً اس کا یہ عقیدہ باطل ہے، وہ جانور بدستور اس کی ملک میں ہے۔

اب اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ہبہ کردے تو اس کے لئے یہ جانور حلال ہے، جیسا بکثرت ہندو اپنے دیوتاؤں کے نام بکری گائے وغیرہ کو اپنے نزدیک وقف کرکے چھوڑ دیتے ہیں مندروں کے پجاریوں کو اختیار دیدیتے ہیں وہ جو چاہیں کریں، یہ مندروں کے پجاری اُن کو مسلمانوں کے ہاتھ بھی فروخت کردیتے ہیں۔

یا اسی طرح بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا ہی عمل کرتے ہیں، کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں، اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کردیتے ہیں، تو جو لوگ اِن جانوروں کو اُن لوگوں سے خرید لیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لئے ان کا خریدنا اور ذبح کرکے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ

یہاں ایک چوتھی صورت اور ہے جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں سے ہے، مثلاً مٹھائی کھانا وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منّت) کے طور سے، ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے، اور اس کے کھانے پینے، دوسروں کو کھلانے اور بیچنے خریدنے سب کو حرام کہا ہے، کتب فقہ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں، یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآنی متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطرار و مجبوری کے احکام

آیتِ مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اس حکم میں اتنی آسانی کردی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بیتاب ہوجائے، بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالبِ لذت ہو، اور نہ قدرِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں اُن حرام چیزوں کو کھالینے سے بھی

اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوتا، بے شک اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور و رحیم۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کے کھالینے سے بھی گناہ اٹھادیا گیا ہے۔

مضطر، شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس کی جان خطرہ میں ہو، معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جاسکتا، تو جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی، اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھالینے کی گنجائش دی گئی ہے، ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا قدرِ ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

اہم فائدہ

یہاں قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں بھی حرام چیزوں کے کھانے کو حلال نہیں فرمایا، بلکہ لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تو اب بھی اپنی جگہ حرام ہی ہیں، مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمالِ حرام کا گناہ معاف کردیا گیا، حلال ہوجانے اور گناہ معاف کردینے میں بڑا فرق ہے، اگر اضطراری حالت میں ان چیزوں کو حلال کردینا مقصود ہوتا تو حرمت سے صرف استثناء کردینا کافی ہوتا، مگر یہاں صرف استثناء پر اکتفاء کردینے کے بجائے لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ کا اضافہ فرما کر اس نکتہ کی طرف اشارہ کردیا کہ حرام تو اپنی جگہ حرام ہی ہے، اور اس کا استعمال گناہ ہی ہے، مگر مضطر سے یہ گناہ معاف کردیا گیا۔

حالتِ اضطرار میں دوا کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال

آیتِ مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جس شخص کی جان خطرہ میں ہو وہ جان بچانے کے لئے بطور دوا کے حرام چیز کو استعمال کرسکتا ہے، مگر آیتِ مذکورہ ہی کے اشارہ سے اس میں چند شرطیں معلوم ہوتی ہیں،

اوّل یہ کہ حالت اضطرار کی ہو، خطرہ جان جانے کا ہو، معمولی تکلیف و بیماری کا یہ حکم نہیں ہے، دوسرے یہ کہ بجز حرام چیز کے اور کوئی چیز علاج و دوا کے لئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو، جیسے شدید بھوک کی حالت میں استثناء اُسی وقت ہے، جب کہ کوئی دوسری حلال غذا موجود و مقدور نہ ہو، تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال کرنے سے جان بچ جانا یقینی ہو جیسے بھوک سے مضطر کے لئے ایک دو لقمہ حرام گوشت کا کھالینا عادۃً اس کی جان بچانے کا یقینی سامان ہے، اگر کوئی دوا ایسی ہے کہ اس کا استعمال مفید تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے شفاء یقینی نہیں تو اس دوا حرام کا استعمال آیتِ مذکورہ کے استثنائی حکم میں داخل ہوکر جائز نہیں ہوگا، اس کے ساتھ مزید دو شرطیں آیتِ قرآنی میں منصوص ہیں، کہ اس کے

استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو اور قدرِ ضرورت سے زائد استعمال نہ کرے۔

آیتِ مذکورہ کی تصریح اور اشارات سے جو قیود و شرائط حاصل ہوئے ان شرائط کے ساتھ ہر حرام و ناپاک دواء کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں باتفاق فقہاء امت جائز ہے، اُن شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں۔

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو (۲) دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو (۳) اس دواء سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو (۴) اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو (۵) قدرِ ضرورت سے زائد اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

غیر اضطراری حالت میں عام علاج و دواء کے لئے حرام چیز کا استعمال

اضطراری حالت کا مسئلہ تو شرائطِ مذکورہ کے ساتھ نصِ قرآن سے ثابت اور اجماعی حکم ہے، لیکن عام بیماریوں میں بھی کسی ناپاک یا حرام دواء کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دواء کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے حرام میں شفاء نہیں رکھی (بخاری شریف)

بعض دوسرے فقہاء نے ایک خاص واقعہ حدیث سے استدلال کرکے جائز قرار دیا، وہ واقعہ عُرنیین کا ہے، جو تمام کتب حدیث میں مذکور ہے، کہ کچھ گاؤں والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرنے کی اجازت دی جس سے ان کو شفاء ہوگئی۔

مگر اس واقعہ میں متعدد احتمالات ہیں جن سے حرام چیز کا استعمال مشکوک ہو جاتا ہے، اس لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ عام بیماریوں میں جبتک شرائطِ اضطرار مذکورہ موجود نہ ہوں حرام دواء کا استعمال جائز نہیں۔

لیکن فقہاء متاخرین نے موجودہ زمانے میں حرام و ناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاءِ عام اور عوام کے ضعف پر نظر کرکے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دواء اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

کما فی الدر المختار قبیل فصل البیر اختلف فی التداوی بالمحرم و ظاهر المذهب المنع کما فی	دُرِ مختار میں فصل بیر سے پہلے مذکور ہے حرام چیزوں کو بطور دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں اس

رضاع البحر ولکن نقل المصنف ثَمَّ وهٰهنا عن الحاوی قیل یرخص اذا عُلِمَ فیه الشفاء ولم یُعلَم دواء آخر کما رخص فی الخمر للعطشان وعلیه الفتوٰی، ومثله فی العالمگیریة ص ۳۵۵ ج ۵	کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ بحرالرائق کتاب الرضاع میں مذکور ہے، لیکن مصنف تنویر نے اس جگہ رضاع میں بھی اور یہاں بھی حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا دواء و علاج کے لئے حرام چیزوں کا استعمال اس شرط سے جائز ہے کہ اس دواء کے استعمال سے شفاء ہو جانا عادۃً

یقینی ہو اور کوئی حلال دواء اس کا بدل نہ ہو سکے، جیسا کہ پیاسے کے لئے شراب کا گھونٹ پینے کی اجازت دی گئی ہے۔

مسئلہ: تفصیل مذکور سے اُن تمام انگریزی دواؤں کا حکم معلوم ہوگیا جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں، جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم و یقینی ہو، اور جن دواؤں میں حرام و نجس اجزاء کا وجود مشکوک ہو ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے، اور احتیاط بہرحال احتیاط ہے، خصوصاً جبکہ کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو، واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا

تھوڑا سا مول وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات

يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا اُن کو اور اُن کے لئے ہے

أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ

عذاب دردناک، یہی ہیں جنھوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب

بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ

بدلے بخشش کے، سو کس قدر صبر کرنیوالے ہیں دوزخ پر، یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی